Academic Discipline for Quranic Higher Education

تخصص علوم و حکمت قرآن کے لیے مقرر نصاب کے مطابق

## غیر متبدل قوانینِ قرآن

# قانون توکل و استعانت

الاستاذ: ابوالفضل نور احمد سندھی

ناشر

جامع مسجد ربانی، ہائی وے کالونی، سیکٹر C-18، اسکیم-33، نزد جمالی پُل، M-9 موٹروے، کراچی

فون: 0313-2707097

www.hikmatequran.org hikmatequran@gmail.com Hikmat-e-Quran Institute

توکل کے معنی کسی پر اعتماد کرنے، معاملات کی نگرانی اور دیکھ بھال کرنے اور کسی معاملہ کی ذمہ داری لینے کے ہیں۔ الوکیل اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی دوسرے آدمی کے کام کی نگرانی اور دیکھ بھال کرے۔ اللہ تعالیٰ کا ایک صفاتی نام الوکیل ہے۔ وہ کائنات میں تمام موجودات کے لیے اپنے بنائے ہوئے قوانین سے نگرانی اور دیکھ بھال کرتا ہے۔ اس کے بنائے ہوئے مادی قوانین کے مطابق لوگ بڑے بڑے جہاز بنا کر سمندر اور آسمانوں میں چلاتے ہیں تو لوگوں کو اس پر اعتماد ہوتا ہے اور بے دھڑک اطمینان سے اس پر سواریاں کرتے ہیں۔

یہ "اطمینان" اس "یقین" سے پیدا ہوتا ہے کہ یہ جہاز ان قوانین فطرت سے بنائے گئے ہیں جن کی رو سے اتنی جسامت والے جہاز پانی میں ہوں یا فضا میں یہ اپنا سفر جاری رکھیں گے اور دھوکہ نہیں دیں گے۔ اس قانون پر پورا پورا اعتماد کیا جا سکتا ہے، اسی کو توکل کہتے ہیں۔ اس قانون کے تحت انسانوں کی جانب سے اللہ تعالیٰ پر توکل سے مراد اللہ تعالیٰ کے ان قوانین یا تقدیرات پر یقین اور اعتماد ہوتا ہے جو کبھی کسی صورت میں تبدیل نہیں ہو سکتے۔ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿٦٢﴾ (الاحزاب۔٦٢) "تم اللہ کے طریقوں میں کبھی تبدیلی نہیں پاؤ گے۔" ایک مومن کو اللہ تعالیٰ کے قوانین کی حقانیت پر مکمل ایمان ہوتا ہے اس لیے قرآن حکیم میں مومنین کو متوکلین کہا گیا ہے۔

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿١٥٩﴾ (آل عمران۔١٥٩)

"پس ان لوگوں کا قصور معاف کر دو اور اللہ سے بھی ان کے لیے بخشش طلب کرو، نیز اس طرح کے معاملات میں ان سے مشورہ کر لیا کرو۔ پھر جب ایسا ہو کہ تم نے کسی بات کا عزم کر لیا تو چاہیے کہ اللہ پر بھروسا کرو (اور جو کچھ ٹھان لیا ہے اس پر کاربند ہو جاؤ)، یقیناً اللہ انہی لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو اس پر بھروسہ کرنے والے ہیں۔"

قرآن حکیم کہتا ہے کہ یہ ایمان والے لوگ اللہ تعالیٰ کے قانون غلبہ حق اور قانون نصرت پر یقین رکھتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی ہدایت کے اصولوں کی روشنی میں غلبہ حق کی جدوجہد کر رہے ہیں تو اس صورت میں اللہ تعالیٰ کا قانون نصرت ان کے ساتھ ہو گا۔

اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۗ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿١٦٠﴾ (آل عمران۔١٦٠)

"اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی نہیں جو تم پر غالب آسکے، لیکن اگر وہی تمہیں چھوڑ بیٹھے تو (بتلاؤ!) کون ہے جو اس کے چھوڑ دینے کے بعد تمہارا مددگار ہو سکتا ہے؟ (یقین کرو!) صرف اللہ ہی کی ذات ہے پس جو مومن ہیں وہ اسی پر بھروسہ رکھتے ہیں۔"

آیت مذکورہ میں واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت کے قوانین بھی تب متحرک ہونگے جب اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق عمل ہو گا۔ اگر عمل اللہ تعالیٰ کی مشیت و قوانین کی مخالفت میں ہو گا تو اس صورت میں اللہ تعالیٰ کے قوانین نصرت سے مدد ملنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

قرآن حکیم کہتا ہے کہ ایمان والوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی ہدایت ہمیشہ رہنما ہوتی ہے۔ وہ جب بھی کوئی کام کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی رہنمائی اور اس کے قوانین ان کے دلوں کے ایمان کو پختہ کر لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ہر قانون و رہنمائی ان کے ایمان کو ترو تازہ اور پختہ بنا دیتی ہے۔ اسی بنیاد پر وہ توکل کے ساتھ اپنی جدوجہد کو سرانجام دے رہے ہوتے ہیں۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۚ (الانفال۔ ۲)

"مومنوں کی شان تو یہ ہے کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل دہل جاتے ہیں اور جب ان کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیتی ہیں اور وہ ہر حال میں اپنے پروردگار پر بھروسا رکھتے ہیں۔"

## انبیاء کی زندگی میں توکل

قرآن حکیم ایمان والوں کو گائیڈ کرتا ہے کہ تمام انبیاء کی ہمت اور بلند حوصلہ جدوجہد اور عزم کے پیچھے ان کی اللہ تعالیٰ کے قوانین کی صداقت پر یقین تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق فرمایا۔

اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ (یونس۔ ۷۱)

"جب ایسا ہوا تھا کہ اس نے اپنی قوم سے کہا تھا: اے میری قوم اگر تم پر یہ بات شاق گزرتی ہے کہ میں (دعوت و ہدایت کے لیے) کھڑا ہوں اور اللہ کی

نشانیوں کے ساتھ پند و نصیحت کرتا ہوں تو میرا بھروسہ صرف اللہ پر ہے۔"

حضرت ہود علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو یہی کہا تھا۔

اِنِّیۡ تَوَکَّلۡتُ عَلَی اللّٰہِ رَبِّیۡ وَ رَبِّکُمۡ ؕ مَا مِنۡ دَآبَّۃٍ اِلَّا ہُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِیَتِہَا ؕ اِنَّ رَبِّیۡ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۵۶﴾ (ھود۔۵۶)

"میرا بھروسہ صرف اللہ پر ہے جو میرا اور تم سب کا رب ہے (وہ اس لیے کہ) کائنات ہستی میں کوئی چیز ایسی نہیں کہ اس کے قبضے سے باہر ہو، میرا پروردگار (حق وعدل کی) سیدھی راہ پر ہے۔"

حضرت شعیب علیہ السلام نے کہا:

اِنۡ اُرِیۡدُ اِلَّا الۡاِصۡلَاحَ مَا اسۡتَطَعۡتُ ؕ وَ مَا تَوۡفِیۡقِیۡۤ اِلَّا بِاللّٰہِ ؕ عَلَیۡہِ تَوَکَّلۡتُ وَ اِلَیۡہِ اُنِیۡبُ ﴿۸۸﴾ (ھود۔۸۸)

"میں امن کے علاوہ کچھ نہیں چاہتا کہ جہاں تک میرے بس میں ہے اصلاح حال کے لیے کوشش کروں۔ میرا کام بننا ہے تو اللہ ہی کی مدد سے بننا ہے، میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور اسی کی طرف رجوع ہوں۔"

یہی حکم حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیا گیا کہ وہ بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ کرنے کے ایمان کو مستحکم رکھیں۔

وَ اٰتَیۡنَا مُوۡسَی الۡکِتٰبَ وَ جَعَلۡنٰہُ ہُدًی لِّبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اَلَّا تَتَّخِذُوۡا مِنۡ دُوۡنِیۡ وَکِیۡلًا ؕ﴿۲﴾ (بنی اسرائیل۔۲)

"اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی، اسے بنی اسرائیل کے لیے ہدایت بنایا (اور حکم دیا کہ) میرے سوا کسی کو اپنا کارساز نہ بنانا۔"

# اللہ تعالیٰ پر بھروسہ زندگی کے لیے طاقت ہے

قرآن حکیم کہتا ہے کہ جو ایمان والے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہیں اس کے قوانین کے پر یقین کے ساتھ ان پر عمل پیرا ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کا وکیل ہونا ان کے لیے سرمایۂ حیات بن جاتا ہے اور انسان کی زندگی طاقتور ہو جاتی ہے۔

وَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۳۲﴾

(النساء۔ ۱۳۲)

”اور (بے شک) اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور (جو کوئی اس کی فرمانبرداری کرے تو) کارسازی کے لیے اس کا کارساز ہونا کفایت کرتا ہے۔“

اللہ تعالیٰ ان معنوں میں وکیل ہے کہ اس نے اس کائنات کو پیدا کیا ہے اور وہی اس کا واحد مالک و مختار ہے۔ اس کے تمام قوانین اس نے اپنے علم، قدرت اور مشیت سے طے کیے ہیں۔ اس لیے یہ قوانین اس کی مخلوق کی فلاح کے لیے ہیں۔ لہٰذا جب ایک شخص اللہ اور اس کے قوانین کی اطاعت کرتا ہے تو گویا وہ فلاح کی راہ پاتا ہے اور وہ اس کی سلامتی کے نظام کا حصہ بن جاتا ہے۔

جب ہر شے کا وہی نگہبان ہے اور وہی نگرانی اور دیکھ بھال کرنے والا ہے تو عبدیت بھی اسی کی واجب ہے۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۱۰۲﴾ (النساء۔ ۱۰۲)

"یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے۔ کوئی معبود نہیں ہے مگر وہی، تمام چیزوں کا پیدا کرنے والا، سو دیکھو اسی کی بندگی کرو، ہر چیز کی نگرانی اور دیکھ بھال اسی کے حوالے ہے۔"

## استعانت عبدیت کالازمی نتیجہ ہے

استعان کے معنی ہیں اپنی ذات کے لیے اعتدال کی خواہش کرنا اور اس مقصد کے لیے کسی کی مدد طلب کرنا۔ قرآن حکیم نے اللہ تعالیٰ کو اَلْمُسْتَعَانُ بتایا ہے۔ (الانبیاء:۱۱۲) جس کے معنی ہیں مددگار و پشت پناہ اور حمایتی۔ ہم نماز میں روزانہ کئی دفعہ اللہ تعالیٰ سے یہ حمایت و استعانت مانگ رہے ہوتے ہیں۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ؕ (الفاتحہ:۴)

"(خدایا!) ہم صرف تیری بندگی کرتے ہیں اور صرف تو ہی ہے جس سے (اپنی ساری احتیاجوں میں) مدد مانگتے ہیں۔"

اس دعا میں پہلے اپنی عبدیت اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کرتے ہیں۔ اس عبدیت میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور انسانوں کے لیے اس کے بنائے ہوئے قوانین پر مکمل ایمان سب شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ان صفات اور قوانین کی تفصیل بتادی ہے۔ قرآن حکیم کی بتائی ہوئی اس ہدایت سے متشکل عبدیت اللہ تعالیٰ کی استعانت کا مستحق بنتی ہے اور وہاں سے اپنا حصہ پاتی ہے۔ اس لیے قرآن حکیم میں یہ استعانت اللہ کے دین پر استقامت اور صلواۃ کے نظام پر پابندی کی صورت میں حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

وَ اسۡتَعِيۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ وَ الصَّلٰوةِ ؕ (البقرہ:۴۵)

صبر قرآن حکیم کی ایک وسیع المعانی اصلاح ہے۔ اس کے معانی کا خلاصہ یہ ہے کہ حالات بظاہر کتنے ہی صبر آزما ہوں ان کا مقابلہ جرأت و ہمت، استقلال و ثابت قدمی سے کرنا اور اس پر قابو پانے کی مساعی کرتے رہنا چاہیے۔ اسی طرح صلوٰۃ کے ذریعے استعانت سے مراد ہے کہ صلوٰۃ آپ کے اندر صرف اپنی ذات کے لیے جینے کی رویوں کو ختم کر دیتی ہے۔ اور جتنے بھی وسائل ہوں اُن وسائل سے بقدر عدل و احسان دوسرے انسانوں کے ساتھ مل کر تصرف کرنے کا جذبہ طاقتور کرتی ہے۔ یعنی انفاق پر آمادہ کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس کی استعانت یعنی مدد و حمایت حاصل کرنے کے دو بڑے ذرائع یہی ہیں۔

مولانا عبید اللہ سندھیؒ فرماتے ہیں کہ: "صلوٰۃ انسان کے لیے اللہ تعالیٰ سے مواصلات کا ذریعہ ہے اور مواصلات یکطرفہ نہیں ہوتی، وہ دوطرفہ عمل ہے۔ صلوٰۃ میں انسان اپنی عبدیت پیش کرتا ہے اور اس کے بدلے میں استعانت طلب کرتا ہے۔ انسان کے پاس اللہ کے حضور میں عبدیت کے طور پر اپنے اعمال کی رپورٹ پیش کرنے کے لیے جتنا ذخیرہ ہو گا اتنا ہی وہ استعانت سے اپنا حصہ پائے گا۔"

## توکل کا غلط مفہوم

ہمارے ہاں توکل علی اللہ کے معنی یہ لیے جاتے ہیں کہ انسان خود کچھ نہ کرے اور اس انتظار میں رہے کہ اللہ تعالیٰ از خود اس کے لیے سب کچھ کر دے گا۔ توکل کے اس

مفہوم کو راسخ بتانے کے لیے اس طرح کے قصے بھی مشہور کر دیے گئے ہیں کہ ایک صاحب نے اس طرح ”توکل“ کیا کہ ہاتھ پیر جوڑ کر بیٹھ گئے اور اللہ تعالیٰ سے کہا کہ میں کھانے کے پیچھے نہیں جاؤں گا جب تک کھانا خود میرے منہ میں نہ آجائے۔ اس طرح وہ کچھ عرصے تک بیٹھے رہے۔ اس کے بعد کھانے کا ایک خوان اس کے سامنے موجود ہو گیا۔ وہ سمجھے کہ اب میری ”توکل“ سے کام ہو چکا اور اپنے ہاتھ سے کھانے لگے۔ اتنے میں آواز آئی کہ تو جلدی کر گیا، اگر کچھ دیر اور منتظر رہتا تو کھانا خود بخود تیرے منہ میں پہنچ جاتا۔ توکل کا یہ مفہوم قرآن حکیم کے یکسر خلاف ہے جو ہر قدم پر سعی و عمل اور جدوجہد کی تاکید کرتا ہے۔

قرآن حکیم تو توکل کے لیے یہ تصور پیش کرتا ہے کہ تم اپنے کاموں اور مقاصد و مشن کی تکمیل کے لیے اقدام کرو اور مکمل عزم کے ساتھ جب آگے بڑھ چکو تو پھر اللہ تعالیٰ پر توکل رکھو کہ اس کا قانون نصرت تمہاری مدد کو آپ پہنچے گا۔

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴿٢٢﴾ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ۬ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٢٣﴾ (المائدہ: ۲۲۔۲۳)

”لوگوں نے (اس کے جواب میں) کہا اے موسیٰ! اس سرزمین میں ایسے لوگ رہتے ہیں جو بڑے ہی طاقتور ہیں (ہم میں ان کے مقابلے کی تاب نہیں) جب تک وہ لوگ وہاں موجود ہیں، ہم اس سرزمین میں قدم رکھنے والے نہیں۔ ہاں! اگر وہ لوگ وہاں سے نکل گئے تو پھر ہم ضرور داخل ہو جائیں

گے۔(اس پر) دو آدمیوں نے کہ اللہ سے ڈرنے والوں میں سے تھے اور اللہ نے انہیں ایمان کی نعمت عطا فرمائی تھی، لوگوں سے کہا(اس قدر بے طاقت اور بزدل کیوں ہو رہے ہو؟) ہمت کر کے ان لوگوں پر جا پڑو اور (شہر کے) دروازے سے داخل ہو جاؤ۔ اگر تم (ایک مرتبہ) داخل ہو گئے تو پھر غلبہ تمہارے ہی لیے ہے۔ اگر تم ایمان رکھنے والے ہو تو اللہ پر توکل کرو۔"